یکم اکتوبر ۱۹۷۱ء

ہفتہ وار

ہماری زبان

جلد ۳۰ | ایڈیٹر: آل احمد سرور | شمارہ ۳۷

اس شمارے میں

اداریہ

اترپردیش اور اردو

ہماری زبان کی کئی اشاعتوں میں اترپردیش کی حکومت کی اردو کے متعلق روش پر اظہار خیال کیا جا چکا ہے۔ حال میں ہمیں ایک کتابچہ ملا ہے جس میں اترپردیش کی حکومت نے اردو کے لئے سہولتیں گنائی ہیں۔ ابتدائی تعلیم کے سلسلے میں اُسی دس اور چالیس کے فارمولے کو دہرایا گیا ہے جو ۱۹۴۰ء کی تعلیم کے وزیروں کی کانفرنس میں منظور ہوا تھا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ مزید احتیاط کے طور پر ابتدائی اسکولوں میں ایسے رجسٹر کھول دئے گئے ہیں جن میں اردو میں تعلیم کے خواہاں بچوں کے نام نیا تعلیمی سال شروع ہونے سے پہلے درج کر لئے جاتے ہیں مگر لسانی اقلیتوں کے کمشنر کی رپورٹ میں یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ ہر جگہ ایسے رجسٹر موجود نہیں یا اگر موجود ہیں تو خالی ہیں۔ کتابچے میں یہ بھی کہا گیا کہ مکتبوں، مدرسوں اور نگر پالیکا کے زیر انتظام قائم اردو ذریعہ تعلیم کے اسکولوں جونیر بیسک اسکولوں اور نجی انتظام کے تحت قائم اسکولوں میں بھی اردو پڑھنے کی سہولتیں موجود ہیں؟ اس سلسلے میں اگر کچھ اعداد و شمار بھی دئے جاتے تو حقیقت کھل کر سامنے آتی۔ ہماری اطلاع تو یہ ہے کہ بہت کم اسکولوں میں ایسی سہولت ہے اور مکتبوں اور مدرسوں کو اتنی کم امداد ملتی ہے کہ اُن کی افادیت مجروح ہو جاتی ہے

ایک اچھی بات اس کتابچے سے یہ معلوم ہوئی کہ پرائمری اسکولوں میں اردو کے مدرسین کا تقرر کرنے کے لئے دس لاکھ کی رقم پچھلے سال کے بجٹ میں رکھی گئی تھی۔ یہ بھی معلوم ہونا چاہئے کہ اس مد میں سے کتنی رقم خرچ ہوئی اور کتنے نئے مدرس مقرر کئے گئے۔ ہو سکتا ہے کہ رقم کا بڑا حصہ صرف نہ ہو سکا ہو۔

ثانوی تعلیم کے سلسلے میں بھی پرانی باتیں دہرائی گئی ہیں۔ جو بنیادی نکتہ ہے اس کی طرف کوئی اشارہ نہیں۔ کتنے ثانوی اسکولوں میں اُردو ذریعہ تعلیم ہے؟ کتنے اسکولوں نے اردو ذریعہ تعلیم کا انتظام کرنے کا ارادہ کیا ہے اور اُنہیں کیا سہولت دی جائیگی۔ سہ لسانی فارمولے کے تحت کم سے کم پانچ طالب علموں کو تیسری زبان کے طور پر اردو پڑھنے کی سہولت کچھ ہی عرصہ ہوا دی گئی تھی۔ اس سے کتنے طلبا نے فائدہ

ڈھایا اور اس کے لئے کتنے استاد رکھے گئے اور اُن کو کون سی کتابیں پڑھائی جاتی ہیں۔ ان سب باتوں کا سب کو علم ہونا چاہئے۔ کتابچے سے یہ کام کی بات معلوم ہوئی کہ سرکاری اسکولوں کے علاوہ تسلیم شدہ غیر سرکاری ہائیر جیبک اسکولوں اور ہائر سیکنڈری اسکولوں میں سہ لسانی فارمولے کے تحت اردو کی تعلیم کے لئے حکومت نے اپنے خرچ سے مزید استادوں کا تقرر کیا ہے۔ یہ اچھی بات ہے لیکن یہ بھی بتانا چاہئے کہ کتنے استادوں کا تقرر کیا گیا ہے۔

ثانوی تعلیم کے سلسلے میں اس سہولت کا بھی ذکر کیا گیا ہے کہ نجی طور پر تعلیم پانے والے یا دوسرے علاقوں سے اترپردیش میں آنے والے طالب علم بورڈ آف ہائی اسکول اینڈ انٹرمیڈیٹ ایجوکیشن کے امتحانات میں اپنے پرچوں کے جوابات اردو میں یا انگریزی میں دے سکتے ہیں۔ یہ سہولت کاغذ پر تو عرصے سے موجود ہے مگر اس کے سلسلے میں انسپکٹر صاحبان اتنے رخنے ڈالتے ہیں کہ اس کا عدم وجود برابر ہے۔ یہاں بھی اعداد و شمار کی ضرورت تھی کہ کتنے طلبا نے اس کیلئے درخواست دی اور کتنے طلبا کو واقعی اجازت ملی۔

سرکاری کاموں میں سہولتوں کے سلسلے میں کہا گیا ہے کہ "فوجداری دیوانی۔ نیز مال کی عدالتوں میں درخواستیں یا شکایتیں اردو میں فارسی رسم خط میں پیش کی جا سکتی ہیں" یہ سہولت بہت اہم ہے، مگر افسران اگر اردو میں درخواستیں یا شکایتیں لینے سے انکار کر دیں تو اس کا کیا علاج ہے اور حکومت نے اس کا کیا تدارک سوچا ہے؛ یہ بھی معلوم ہونا چاہئے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ رجسٹری کے دفتروں میں اردو میں دستاویزیں داخل کی جا سکتی ہیں۔ اس پر جہاں تک ہماری اطلاع ہے ایک حد تک عمل بھی ہو رہا ہے۔

اردو مصنفین کو انعامات ایک عرصے سے دئے جا رہے ہیں۔ اس کے علاوہ "محکمۂ قومی یک جہتی کی طرف سے اردو کی ایسی معیاری کتابوں پر انعامات دئے جاتے ہیں جن میں اردو شعر و ادب کے ساتھ قومی یک جہتی اور حب الوطنی کے جذبات پر زور دیا گیا ہے۔ یہ بھی ایک خوش آیند اقدام ہے۔

آگے چل کر یہ بتایا گیا ہے کہ کتب خانوں اور دار المطالعوں کو بھی اردو کی کتابوں اور رسالوں کی خریداری کے لئے امداد دی جاتی ہے۔ اس سلسلے میں بھی اعداد و شمار کی ضرورت ہے تاکہ معلوم ہو سکے کہ اس مد میں کتنی رقم خرچ ہوئی ہے۔

کتابچے میں کہا گیا ہے کہ ایک اردو بورڈ بھی قائم ہوا ہے۔ یہ واضح رہے کہ اس اردو بورڈ کی اب تک ڈھائی سال میں دو نشستیں ہوئی ہیں۔ تازہ ترین اطلاعات کے مطابق اردو بورڈ کی جگہ اب ایک اردو اکاڈمی بنائی جائیگی جسکا کام اردو میں کتابیں چھاپنا اور کتابیں چھپوانے میں مدد دینا ہوگا۔ نیز اردو کی ترقی کے لئے حکومت کے منصوبوں کا جائزہ لینا اور زبان و ادب کی ترقی کے لئے مناسب مشورہ دینا بھی ہوگا۔ اس کے علاوہ اردو پڑھنے والوں کو جو سہولتیں ملی ہیں انکا جائزہ لینا اور حکومت کو ان کے بارے میں مشورہ دینا بھی ہوگا۔ اردو پڑھنے والوں کی تکالیف پر غور کرنا اور انہیں دور کرنے کے لئے سفارش کرنا بھی اکاڈمی کے فرائض میں ہوگا۔ ایسی کتابوں پر انعامات دینا بھی اکاڈمی کا کام ہوگا جو ادب، سائنس اور فنون لطیفہ پر ہوں۔ بہرحال اکاڈمی اگر خلوص سے کام کرے تو یقیناً ہماری بہت سی شکایات دور ہو سکتی ہیں؛ مگر دیکھنا یہ ہے کہ یہ واقعی کام کرتی ہے یا دفتر شاہی کا ایک اور گھروندا بن کر رہ جاتی ہے۔ اترپردیش کی حکومت کو ابھی اردو سے واقعی ہمدردی اور دلچسپی کا ثبوت دینا ہے

عصمت جاوید کے مضامین کا مجموعہ "فکر سیما"

جلد منظر عام پر آ رہا ہے۔ کچھ عنوانات کی جھلک (۱) اردو زبان کے ذیلی صوتیے (۲) جین حسانی ارتقا کا ساقط الوقت نظریہ (۳) اردو کے دو پیشرو ماہرین زبان۔ انشاء اور آزاد (۴) وضع اصطلاحات کی چند نادرست اصطلاحیں (۵) لفظ و معنی کا رشتہ اور ابلاغ (۶) تشبیہ سے علامت تک (۷) غالب (۸) مومن۔ قیمت بارہ روپے ملنے کا پتہ (۱) مکتبہ جامعہ (۲) نصرت پبلشرز لکھنؤ۔

اسکولوں کے لئے مختلف

مضامین کی کتابیں

یہ کتابیں یونیسکو کے ماہرین نے ہندوستانی اسکولوں کے لئے جغرافیہ، تاریخ، شہریت، فزکس، کیمسٹری، بائلوجی اور حساب پر بالکل نئے انداز میں تیار کی ہیں۔ اب یہ کتابیں اردو میں بھی دستیاب ہیں۔ یہ نیا سلیبس تیسری کلاس سے گیارہویں کلاس تک ہے۔ یہ تمام کورس دہلی کے اردو میڈیم اسکولوں میں رائج ہے۔ مزید تفصیلات کے لئے گرین بک اسٹور ۱۱۶۳ پہاڑی املی دہلی سے رجوع کریں۔

ڈاکٹر نیر اقبال

اردو کے صیغے

(مصنفہ سونیا چرنیکووا)

اردو زبان کے افعال کی صرفی تشکیل اور نحوی عمل کا مطالعہ خاصہ دشوار گذار مسئلہ ہے خاص طور سے اردو زبان کے غیر ملکی طلبہ اور ماہرین زبان کے لئے سونیا چرنیکووا نے اردو زبان کے صیغوں کے نحوی عمل کو اپنے تحقیقی مطالعہ کا موضوع بنا کر خاصی ہمت و جراٴت کا ثبوت دیا ہے۔

ان کے کام کا دوسرا اہم پہلو یہ ہے کہ ان کا مقالہ بنیادی طور پر اردو زبان میں ہے۔

مقالہ کو دیکھ کر معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے اردو ادب کا خاصہ وسیع مطالعہ کیا ہے اور انھوں نے زبان کی ساخت کو بھی خاصہ سمجھنے کی کوشش کی ہے۔

البتہ دو باتوں کے سلسلہ میں خاص طور پر مایوسی ہوتی ہے اوّل تو انھوں نے لسانیات کے جدید نظریوں سے واقفیت بہم نہیں پہونچائی ہے، دوسرے انھوں نے اہل زبان قواعد نویسوں کی تالیف کی ہوئی اردو قواعدوں میں سے صرف بابائے اردو کی قواعد کا مطالعہ کیا ہے۔ اگر انھوں نے اس سلسلہ میں دریائے لطافت، مصباح القواعد اور مولانا تمنا عمادی کے افعال مرکبہ کا مطالعہ بھی کیا ہوتا تو اس موضوع کے سلسلہ میں صحیح نتائج تک پہنچنے میں خاصی مدد ملتی۔

مقالہ کا اصلی موضوع اردو میں خبری صورت، طور معروف کے صیغوں کا نحوی عمل ہے، پیش لفظ میں ان صیغوں کی صرفی ساخت سے بحث کی گئی ہے جس میں صیغوں کی صرفی تشکیل سے زیادہ اردو صیغوں اور مرکب افعال کے ترقی زمانہ اور صورت کی اصطلاح کے فلسفیانہ تعین اور کام میں پائی جانے والی داخلی کیفیت کے لحاظ سے اردو میں صورت کی قسموں سے بحث کی گئی ہے بحث کا انداز فلسفیانہ اور استدلالی ہے۔ ان کے خیال میں اردو میں صورت کی تین بنیادی قسمیں ہیں۔

(۱) تمام اور نا تمام۔ (۲) نتیجہ دکھانے والی اور نتیجہ نہ دکھانے والی۔ (۳) کام کے تسلسل کا طریقہ دکھانے والی اور تسلسل کا طریقہ نہ دکھانے والی۔

فعل کے وقوع کے طریقے ظاہر کرنے کے لئے پانچ صورتیں مقرر کی گئی ہیں۔ ایک سادہ صورت جو براہ راست سادہ اور معمولی صیغوں پر مشتمل ہے اور باقی چار مرکب صیغوں پر مشتمل ہیں۔

(۱) بڑھتے جانا۔	ترقی پذیر صورت
(۲) بڑھا کرنا۔	وقفہ پذیر صورت
(۳) بڑھتے رہنا۔	طویل صورت
(۴) بڑھے جانا۔	استقلالی صورت

انھوں نے ان صورتوں کے لحاظ سے صرف خبری صورت طور معروف ماضی حال مستقبل کے معیاری صیغوں میں ۳۵ کی تعداد کا تعین کیا ہے۔ اس کے علاوہ خاصی بڑی تعداد غیر معیاری صیغوں کی ہے جو متعین نہیں کی گئی ہے۔

مقالہ کے متن میں ان صیغوں کے نحوی عمل کو پرکھا گیا ہے یہاں ان صیغوں کو الگ کام اور تکرار کے ساتھ ہونے والے کام کے لحاظ سے دو حصّوں میں رکھ کر ان کا مطالعہ کیا گیا ہے۔

مندرجہ بالا چاروں امدادی افعال کے علاوہ باقی تمام امدادی فعلوں سے بنے والے مرکب افعال کو انھوں نے ردادار کا نام دیا ہے سادہ فعلوں کے لئے کمزور افعال کی اصطلاح استعمال کی ہے۔

ان اصطلاحوں کے تعین کے سلسلہ میں اردو زبان کے روسی قواعد نویسوں کی تصانیف سے استفادہ کیا گیا ہے۔

مقالہ کا بغور مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ انھوں نے اپنے تشکیل کردہ صیغوں کا ہر پہلو سے تقریباً بھرپور اور تفصیلی جائزہ لیا ہے پھر بھی صرفی اور نحوی سطحوں پر کچھ مسائل بحث طلب باقی رہ گئے ہیں مثلاً۔ (۱) صیغوں کی تشکیل ہمیشہ صرفی مسئلہ ہوتی ہے۔ انھوں نے ان صورتوں کے صیغوں کی تشکیل کے لئے کس صرفی بنیاد کا تعین کیا ہے اور (۲) صیغوں کو ان صورتوں میں تقسیم کرنے کے لئے انھوں نے کیا صرفی پیمانہ مقرر کیا ہے۔ ان مسائل پر کوئی روشنی نہیں ڈالی گئی ہے پورے مقالہ کا مطالعہ کرنے کے بعد تشکیل کے اصولوں کا ایک مبہم سا خاکہ ابھرتا ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کے خیال میں کسی فعل کے حالیوں اور اسم فعل کے ساتھ چار مصادر جانا۔ آنا۔ کرنا۔ رہنا۔ لگا کر صیغے بنائے جا سکتے ہیں۔ مصدر چلنا کا استعمال جانا اور آنا کے ساتھ FREE VARIATION میں ہے تقسیم کے سلسلہ میں ایسا کوئی مبہم سا خاکہ بھی سامنے نہیں آتا۔

تقسیم کی کوئی ٹھوس بنیاد پیش نظر نہ ہونے کی وجہ سے مقالہ کے نحوی پہلو کا مطالعہ کرتے ہوئے خاصی پریشانی میں مبتلا ہونا پڑتا ہے۔ مثلاً ترقی پذیر صورت کے صیغوں میں یہ مثالیں ملتی ہیں (آنا اور چلے آنا)

بڑھتی چلی آتی ہیں۔ جوان ہوتا چلا آ رہا ہے۔ منڈلاتی چلی آتا ہے۔ چڑھتے چلے آتے ہو۔ بنتے ہی آتے ہیں۔ نکلتے آتے ہیں۔ بڑھتے چلے آ رہے ہیں۔ بڑھتا آ رہا تھا۔ گھرتا چلا آ رہا تھا۔ دوسری طرف طویل صورت میں یہ مثالیں ملتی ہیں۔

رہتے چلے آ رہے تھے۔ ملتوی ہوتی آ رہی تھی۔ ہوتی آئی تھی۔ کرتا آیا ہے۔ ہوتے چلے آئے ہیں۔ وغیرہ وغیرہ

سوال یہ ہے کہ ان کی تفریق کی بنیاد کیا ہے کوئی قواعدی صرفی بنیاد یا محض احساس؟ صیغہ کی تشکیل صرفی مسئلہ ہے اور جملہ کے اندر قواعدی سیاق و سباق میں استعمال نحوی مسئلہ ہے ہم صورت صیغوں کو قواعدی سیاق و سباق کے تحت ممیز کیا جا سکتا ہے۔ لیکن مندرجہ بالا صیغوں کے سیاق و سباق میں کوئی فرق نہیں ہے۔

استقلالی صورت کا معاملہ بھی کچھ ایسا ہی ہے۔ افعال کے حالیہ تمام کو فعل جانا کے ساتھ مرکب کر کے تین مفہوم پیدا کیے جا سکتے ہیں۔

(۱) ان تمام افعال کے حالیہ تمام کے ساتھ جو طور معروف میں فاعلی علامت "نے" کے ساتھ استعمال ہوتے ہیں۔ فعل جانا مرکب ہو کر مجہول کے معنی پیدا کرتا ہے۔ ایسے حالیہ تمام طور معروف کے اس مفعول کے ساتھ جو طور مجہول میں فاعل کا عمل کرتا ہوتا ہے۔ جنس اور تعداد میں مطابقت کرتے ہیں۔

(۲) تمام لازم کہے جانے والے افعال جن کا طور مجہول نہیں بن سکتا۔ ان کے حالیہ تمام فعل جانا۔ آنا اور چلا جانا۔ چلا آنا کے ساتھ مرکب ہو کر کسی کام کے یک بارگی ایک رو میں کر ڈالنے کی طرف اشارہ کرتے ہیں اس استعمال میں یہ حالیے جنس اور تعداد کے لحاظ سے اپنے فاعل سے مطابقت کرتے ہیں۔ مثلاً "جی چاہتا ہے کہ مکان میں گھسی چلی جاؤں ماں کے قدموں پر گردن دے کے لگا لیں گی مگر جرأت نہیں ہوتی تھی۔" امراؤ جان ادا

منہ اٹھائے گھسے چلے آتے ہیں۔ دراز گھسے چلے آتے ہیں بھاگا چلا جاتا ہے۔

(۳) تیسرے تمام افعال کے حالیہ تمام املے کے ساتھ فعل جانا آنا چلا جانا۔ چلا آنا وغیرہ سے مرکب ہوتے ہیں۔ ایسی صورت میں یہ ایک کام کا بار بار یا مستقل کیے جانا بتاتے ہیں مثلاً "لاکھ منع کریں مگر یہ بے حیا ان لوگوں میں گھسے جاتا ہے۔" یہاں "گھسا" کا استعمال وہ مفہوم نہیں پیدا کر سکتا جو "گھسے" کا استعمال کر رہا ہے۔ یعنی وہ عمل کا دوسرا طریقہ بتائے گا۔ سانپ کو جلدی مار لو ورنہ بل میں گھسا جاتا ہے۔ یہاں "گھسے جاتا ہے" نہیں استعمال ہو سکتا۔ اگر "گھسے جاتا ہے" کہا جائے گا تو معلوم ہوگا بار بار بل میں گھستا ہے اور نکلتا ہے گھستا ہے اور نکلتا ہے۔

انھوں نے نحوی مفہوم نمبر ۲ اور نمبر ۳ کے فرق کی وضاحت نہیں کی ہے، لسانیاتی معنیاتی تضاد کے اصول کو مدنظر رکھتے ہوئے ان دونوں استعمالات کو ایک خانہ میں نہیں رکھا جا سکتا۔

اس کے علاوہ وقفہ پذیر صورت کے نحوی عمل کے سلسلہ میں بھی وہ خاصی غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔ کسی فعل کے حالیہ تمام کے ساتھ بیان جس کو وہ اسم فعل کا نام دیتی ہیں۔ فعل کرنا کا مرکب کام کی کوئی ایسی صورت نہیں پیدا کرتا جس میں تسلسل نہ ہو بلکہ وقفہ ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ فعل کرنا سے بننے والا مرکب فعل صرف معمول بتاتا ہے یا کام کا تسلسل بے تغیر رہ سکے ہوئے ہونا۔

(۱) تسلسل:۔ وہ کتابیں لے کر بیٹھ گئے۔ گانا ہوا کیا۔ جب تک میں تمہاری داستان کہتی رہی وہ چپکی بیٹھی سنا کی۔

(۲) معمول:۔ فیض علی رات گئے آیا کرتے تھے۔ معمول گالی گلوچ . . . . بے تکلف دوستوں میں ہوا کرتی ہے۔

بغیر تمیزی الفاظ کے یہ مفہوم قطعی ہوتے ہیں۔ تمیزی الفاظ موقعہ کے اعتبار سے ان میں امتیاز پیدا کر دیتے ہیں۔

جہاں تک افعال کی بنیادی شکلوں کے عمل کا تعلق ہے ان کی نگاہ محدود ہے۔ اگر انھوں نے فعل کی خبری صورت کے علاوہ دوسری صورتوں کو بھی سمجھا ہوتا تو انھیں پتہ چلتا کہ مصدر اور فعل کا مادہ بھی صیغوں کی تشکیل میں بہت اہم رول ادا کرتے ہیں صرف حالیے ہی صیغے نہیں بناتے ایسی صورت میں انھیں فعل "چکنا" سے بننے والے صیغوں کو تمامی صورت کا اور "فعل لگنا" سے بننے والے صیغوں کو شروعاتی صورت کا درجہ دینا پڑتا۔ فعل "چکنا" تو ایسا فعل ہے جس سے بنے ہوئے مرکب صیغوں کو اکثر قواعد نویسوں نے آزاد صیغوں کا درجہ دیا ہے فعل رہنا کے ساتھ حالیہ ناتمام کو مرکب کر کے تو انھوں نے طویل صورت بنا دی۔ لیکن اسی فعل کے ساتھ حالیہ تمام کے استعمال کو نظر انداز کر دیا ہے۔ مثلاً

وہ تین دن تک اس درخت پر چڑھا رہا ہے۔

میں ہر وقت لگی رہتی ہوں، ملگی رہتی تھی۔ یہ چھپکلی یہاں ہر وقت چپکی رہتی ہے جب تک دل ملا رہتا ہے کوئی جھگڑا نہیں ہوتا۔

وقوع کے طریقہ کے لحاظ سے افعال کی یہ صورت ٹھہراؤ بتاتی ہے کیونکہ وقت کے اعتبار سے کام کا پورا عرصہ ایک اکائی کے طور پر سامنے آتا ہے۔

سوینا چرنیکووا فعل چلنا کے نحوی عمل کے سلسلہ میں بھی خاصی غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔ فعل چلنا (۱) آزاد امدادی فعل کی طرح بھی استعمال ہوتا ہے۔ جو آنا اور جانا سے مزید مرکب ہو سکتا ہے اور (۲) آنا اور جانا کے پہلے زور دینے والے سابقہ کی طرح بھی آتا ہے۔

(۱) آزاد امدادی فعل۔ مخالفت چل رہی تھی۔ پڑھتے چلو۔ بڑھے چلو۔
فعل آنا:۔ مخالفت چلی آ رہی تھی
فعل جانا:۔ مخالفت چلے جا رہی تھی

(۲) زور دینے والا سابقہ۔ میری نماز چلی جاتی۔ وقت بیتا جا رہا ہے، وقت بیتا چلا جا رہا ہے۔

ایسے زور دینے والے فعل سابقے اردو میں بکثرت ہیں سوینا چرنیکووا "چلنا" کے استعمال کو ہر جگہ زور دینے والے سابقے کی طرح ہی سمجھی ہیں۔ مثلاً ایسے جملوں کو انھوں نے استمراری معمول کے سیدھے سادے صیغے قرار دیا ہے۔

یہ بحث برسوں سے چلی آرہی ہے ۔

یہ رواج شروع سے چلا آرہا ہے ۔

ایسی صورت میں ان کی اگر تشریح کی جائے تو اس طرح ہوگی۔

یہ بحث برسوں سے	چلی	آرہی ہے
	زور دینے والا سابقہ	فعل
یہ رواج برسوں سے	چلا	آرہا ہے

حالانکہ یہاں بحث چلنا رواج چلنا اصل فعل ہیں۔ ان کے حالیہ تمام کے ساتھ فعل آنا شامل کیا گیا ہے اور ان کے اصول کے تحت یہ ساخت استقلالی صورت کی ہونی چاہیے استمراری معمولی کی نہیں۔

صیغوں کی تشکیل کے کوئی واضح اصول سامنے نہ ہونے کی وجہ سے وہ ایسے غلط نتائج پر بھی پہونچتی ہیں مثلاً وہ کہتی ہیں کہ آجکل کھا رہا ہوتا تھا اور کھاتا ہوتا تھا (ان کی اصطلاحوں میں ماضی استمراری معمولی اور ماضی معمولی) کو "وہ کھاتا تھا" (ماضی معمولی) سے بدل دیا جاتا ہے حالانکہ ان تراکیب کا استعمال بالکل علیحدہ قواعدی اور معنیاتی مفہوم کا حامل ہے اور آج بھی یہ تراکیب اپنے مخصوص معنی میں استعمال ہوتی ہیں غیر معیاری صیغوں کی بحث میں ایسی کئی غلط فہمیاں پیدا ہوتی ہیں۔ مضبوط صرفی بنیاد نہ ہونے کی وجہ سے اسلوبی معنیاتی اور نحوی بحثیں ایک دوسرے میں خلط ملط ہوگئی ہیں۔

جہاں تک کسی صیغے کے قواعدی معنی کے تعین کا تعلق ہے قواعد نویس کو زبان میں اس کے قواعدی استعمال کا مطالعہ کرنا چاہئے اور اسی استعمال کی روشنی میں اس کا تعین کرنا چاہئے۔ صیغے کے اجزا کے لغوی معنی کی بحث اس کو غلط نتائج اخذ کرنے کی طرف لے جائے گی۔

سوبیا چرنیکووا نے اردو افعال کا مطالعہ فعل کے سہ پہلو تصور کے تحت کیا ہے۔ ان کی صورت کے لحاظ سے بنیادی تقسیم (۱) تمام اور ناتمام (۲) نتیجہ دکھانے والی نہ دکھانے والی اور (۳) تسلسل کا طریقہ دکھانے والی اور نہ دکھانے والی۔ اسی تصور پر مبنی ہے اردو صیغوں کے لئے صرف تقسیم نمبر ۱ کار آمد ہے، نتیجہ اور تسلسل کا طریقہ دکھانے والی تقسیم اردو کے لئے کار آمد نہیں ہے۔ کام کی ابتدا، خاتمہ، تکرار تسلسل، تسلسل کا طریقہ یعنی لگاتار ہونا، بار بار ہونا، وقفہ وقفہ سے ہونا وغیرہ، اس کے علاوہ کام کا طریقہ قرب۔ بعد۔ زور۔ کام کے مفہوم میں دوہرا پن۔ یہ تمام باتیں اردو میں مرکب افعال سے ظاہر کی جاتی ہیں، مرکب افعال اردو زبان کی ایک مخصوص خصوصیت ہیں۔ یہ اکثر و بیشتر اسلوبی طور پر بھی افعال کے باقاعدہ اور مقررہ صیغوں کی جگہ استعمال ہوتے ہیں۔

ہر زبان کی طرح اردو زبان کے کچھ اپنے مخصوص فعلی رجحانات ہیں۔ مثلاً فعلیں استعمالات۔ طور معروف پر عمومی استعمال میں طور مجہول کو ترجیح اور افعال کے ترکیبی صیغوں کی جگہ مرکب افعال کا تفصیلی استعمال۔ زبان کے مخصوص مزاج کو سمجھنے کے لئے اس طرح کے رجحانات کو سمجھنا ضروری ہوتا ہے۔ اردو زبان کے تمام غیر ملکی قواعد نویسوں نے اس سلسلہ میں ٹھوکریں کھائی ہیں، سوبیا چرنیکووا بھی بنیادی طور پر انھیں پیچیدگیوں کی شکار ہوگئی ہیں۔ اور ترکیبی طور پر بنے ہوئے صیغے اور مرکب افعال میں امتیاز نہیں کر سکی ہیں۔ اس الجھاؤ کا شکار ہونے کی بڑی وجہ یہی ہے کہ انھوں نے اردو صیغوں کی تشکیل کے لئے کسی ٹھوس بنیاد کو سمجھنے کی کوشش نہیں کی ہے۔

کسی بھی زبان میں صیغہ صرف اسی شکل کو کہہ سکتے ہیں جو صرفی اعتبار سے بھی متعین ہو چکی ہو۔ ترکیبی طور پر یکساں شکلیں صرف افعال کی تبدیلی سے صیغہ نہیں بن سکتیں مثلاً پڑھتا رہتا ہے۔ پڑھتا آتا ہے۔ دونوں ایک صیغہ میں کیونکہ یہاں صرف مرکب فعل کا دوسرا جز بدل گیا ہے ترکیبی ساخت نہیں بدلی ہے۔

ساخت کے اعتبار سے اردو افعال کے اندر دو طرح کی تبدیلیاں ہوتی ہیں۔ ایک اندرونی، دوسرے بیرونی۔ اندرونی تبدیلیاں وہ ہوتی ہیں جو علامت مصدر ہٹائے بغیر وقوع پذیر ہوں۔ یہ عام طور پر افعال کے تعدیہ کے سلسلہ میں ہوتی ہیں، دوسری تبدیلیاں علامت مصدر ہٹانے کے بعد عمل میں آتی ہیں۔ صیغے صرف تبھی وجود میں آتے ہیں جب علامت مصدر ہٹا کر مادہ فعل میں امدادی مرفیے شامل کر دئے جاتے ہیں (مصدر کا امری استعمال ایک الگ بحث سے تعلق رکھتا ہے) یہ مرفیے صرف فعلی مرفیے ہوتے ہیں صیغے سے علیحدہ ان کا کوئی مفہوم ہوتا ہے نہ قواعدی عمل۔ صیغے کے اندر وہ اپنا ممیزہ عمل کرتے ہیں ایک صیغے سے دوسرے صیغے کی تمیز ان مرفیوں کے تبدیل پر مبنی ہوتی ہے۔ ان کی تعداد محدود ہوتی ہے اور وہ زبان کے اندر افعال کے ساتھ مستقل اور بار بار آتے ہیں یہ کبھی اور کبھی بھی صیغے سے باہر مکمل فعل کا نہ قواعدی عمل کرتے ہیں اور نہ اس کا مفہوم ادا کرتے ہیں اردو کے اندر یہ فعلی مرفیے چار ہیں، حالیہ تمام کی علامت، حالیہ ناتمام کی علامت، مضارع کی علامت اور حالیہ استمراری کی علامت ان چاروں مرفیوں کے اندرونی تحتی مرفیے۔ COMPLEMENTARY DISTRIBUTION میں آتے ہیں۔

مادہ فعل + ان فعلی مرفیوں کو امدادی افعال کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ اردو میں ان امدادی افعال کی بھی صورت متعین

یہ اپنے بنیادی مصادر سے اپنا رشتہ ختم کر کے صرف زمانہ، شخص اور تعداد ظاہر کرنے والے فعلی مرفیوں کی حیثیت اختیار کر چکے ہیں۔ یہ ہیں۔ ہے۔ ہوں، ہو۔ تھا۔ تھے۔ تھی۔ اور گا ہیں (زیدی بیمار ہے" تاپ کے جملوں میں ان کے استعمال کی بحث الگ ہے) یہ ارتقائی طور پر نہ مصدر "ہونا" سے نکلے ہیں اور نہ آج ہونا کی باقاعدہ اور باضابطہ گردان سے کوئی تعلق رکھتے ہیں۔

اردو صیغے اپنے مبدل ہونے والے مرفیوں کے مزاج اور قواعدی عمل کی مناسبت سے صرف زمانہ بتا سکتے ہیں فعل کی تین حالتیں خبری۔ احتمالی اور امری ظاہر کر سکتے ہیں، اور کام کی تمام اور ناتمام حالت بتا سکتے ہیں۔ اس لحاظ سے فعل کی خبری حالت طور معروف کے صرف یہ صیغے ہیں۔

سنتا۔	سنا۔	سنے (گا)
سنتا ہے۔	سنتا تھا۔	سنتا ہوگا
سن رہا ہے۔	سن رہا تھا۔	سن رہا ہوگا
سنا ہے۔	سنا تھا۔	سنا ہوگا

ان نتائج پر پہنچنے کے بعد ان کی تشکیل کی ہوئی چار سو تین اور چالیس بیتالیس معیاری اور غیر معیاری صیغے اپنی بنیادی حیثیت سے محروم ہو جاتے ہیں اور مرکب افعال کے ضمن میں چلے جاتے ہیں۔

مرکب افعال کے لئے زور دار اور مفرد کے لئے کمزور افعال کی اصطلاحیں بھی کچھ زیادہ جاندار نہیں ہیں۔ مرکب افعال صرف زور اور شدت ہی نہیں ظاہر کرتے بلکہ اور بھی بہت سے دوسرے مفہوم پیدا کرتے ہیں۔ خود افعال کو زور کہنا بھی درست نہیں ہے۔

مترجم بریم ناتھ دت

رگوید ۔ × ۔ ۹۰

پرش[1]

پرش کے ایک ہزار سر، ایک ہزار آنکھیں، ایک ہزار پاؤں ہیں۔

زمین کے چاروں طرف چھا جانے کے باوجود وہ دس انگل جگہ میں آجاتا ہے۔

جو کچھ آج تک ہوا ہے، اور جو کچھ آئندہ کو ہونے والا ہے، وہ سب کچھ اسی کا ہے،

وہ صاحب دوام ہے، پوری تابانی سے مادے پر اپنا پرتو ڈالے ہوئے ہے۔

یہ دنیا اس کی عظمت کا نشان ہے مگر وہ تو اس عظمت سے بھی زیادہ عظیم ہے۔

ساری مخلوق اس کا چوتھا حصہ ہے، تین چوتھائی دائمی زندگی ہے، جو عرش پر ہے۔

تین چوتھائی کے ساتھ پرش عالم بالا پر چلا گیا، ایک چوتھائی پھر بھی یہاں رہ گیا۔

پھر وہ مختلف اشکال میں متنفس و غیر متنفس اشیاء پر پورے طور پر مسلط ہو گیا۔

اس سے مادۂ تولید پیدا ہوا، پھر مادۂ تولید سے وہ خود پیدا ہوا،

پیدا ہوتے ہی وہ زمین کے چاروں طرف پھیل گیا۔

جب دیوتا پرش کو قربان گاہ پر قربانی کرنے کے لئے لے گئے،

تو انھوں نے موسم بہار سے گھی، موسم خزاں سے مترکب ہدیہ اور موسم گرما سے ایندھن کا کام لیا۔

اس عظیم قربانی سے جو چربی بچی وہ اکٹھی کر لی گئی۔

اس سے اس نے ہوا میں اڑنے والے پرندے، جنگلی اور پالتو جانور بنائے۔

اس عظیم قربانی سے رگ وید، سام وید پیدا ہوئے جس سے گائتری اور دوسرے منتر ظہور میں آئے، یجر وید بھی اسی سے ہوا۔

گھوڑے بھی اسی سے پیدا ہوئے اور دو جبڑوں والے مویشی بھی۔

اس سے دودھ دینے والی گائیں پیدا ہوئیں اور اسی سے بھیڑ بکریاں

جب انھوں نے پرش کی کاٹ چھانٹ کی، تو اس کے کتنے ٹکڑے بنے؟

اس کے منہ اور بازوؤں کو کیا نام دیا، اور اس کی جانگھوں

(باقی کالم ۲ پر)

(باقی کالم ۱ سے آگے)

اور پاؤں کو کیا؟

اس کے منہ کو برہمن کا نام دیا، دونوں بازوؤں سے چھتری بنے۔

اس کی جانگھیں ویش بن گئیں اور اس کے پاؤں سے شودر بنائے گئے۔

اس کے من سے چاند پیدا ہوا، اور اس کی آنکھوں سے سورج۔

منہ سے اندر اور اگنی اور سانس سے وایو۔

اس کی ناف سے خلا اور اس کے سر سے آسمان بنایا۔

اس کے پاؤں سے زمین بنائی اور اس کے کانوں سے سمات اور اس طرح انھوں نے دنیائیں بنا دیں۔

دیوتاؤں نے قربانی دینے کے لئے جب پرش کو باندھا تو اس کے پاس سات گھیرے تھے، جس سے ایندھن کے اکیس پرت بنائے۔

دیوتاؤں نے قربانی دیتے ہوئے، جب پرش کی قربانی دے دی تو وہ ایک قدیم دین کی تکمیل تھی۔ وہ عالی مرتبت سرگ میں چلے گئے جہاں کہ سادھو اور دیوتا رہتے ہیں۔

رگ: منتر ا۔ ۔۔۔۔ ۱۲ مہینے۔ پانچ موسم۔ تین لوک اور آدتیہ

---

[1] COSMIC BEING

مراسلات

پسندیدہ ادبی افسانے

اس سے قبل اتر پردیش کے ہائی اسکول اور انٹر کالجوں میں پڑھائی جانے والی اردو کی درسی کتابوں پر ایک طائرانہ نظر ڈالی جاچکی ہے۔ غیر درسی کتابوں پر تفصیل سے بحث نہ ہوسکی۔ اس وقت ہائی اسکول جماعتوں میں جو دو غیر درسی کتابیں رائج ہیں ان کے نام ہیں "پسندیدہ ادبی افسانے" اور "شریف زادہ" ان میں بھی اول الذکر ۸۰ فیصدی اسکولوں میں پڑھائی جاتی ہے کیونکہ وہ اردو کے جدید افسانوں کا انتخاب ہے۔ جس وقت ۱۹۵۵ء میں یا اس سے کچھ قبل اس کو بورڈ کے سلیبس میں پہلی مرتبہ داخل کیا گیا تھا انتخاب کچھ غنیمت تھا لیکن اب پندرہ سال کے بعد یعنی ۱۹۷۰ء کے ایڈیشن میں تمام وہی افسانے بجنسہٖ موجود ہیں جو ۱۹۵۵ء کے ایڈیشن میں شامل تھے۔ گویا گزشتہ پندرہ سال میں جدید اردو افسانہ نگاری پر جمود کی سی کیفیت طاری ہے۔ اور کوئی صفِ اول کا افسانہ نگار منظرِ عام پر نہیں آیا۔ طلبہ کے بڑھتے ہوئے ادبی ذوق کے ساتھ یہ ایک عجیب مذاق ہے۔ درجہ میں پڑھاتے وقت کچھ طلبہ نے مجھ سے اس سلسلہ میں بعض دلچسپ سوالات کئے۔ ان سوالات کو لکھنے سے پہلے یہ ضروری ہے کہ میں اس کتاب کے افسانوں کی فہرست پیش کردوں۔ ملاحظہ ہو

(۱) نمک کا داروغہ، از پریم چند (۲) آئی۔ سی۔ ایس از علی عباس حسینی۔ (۳) دھوپ چھاؤں، از اعظم کریوی۔ (۴) دیوار کا چمن، از حامد اللہ افسر۔ (۵) میرِ سپیدا، از نیاز فتحپوری۔ (۶) جلادہ، از منصور احمد۔ (۷) میرا دوست، از سجاد حیدر یلدرم۔ (۸) میرا بالی، از شیام کشور (۹) بہرام گلہ، از کرشن چندر۔ (۱۰) پنچایت، از پریم چند (۱۱) مزدور کا بیٹا، از سید محمد محسن۔ (۱۲) چائے نوشی، از ملا رموزی

طلبہ اردو میں کمزور سہی لیکن افسانوں میں بہت دلچسپی لیتے ہیں سوال پوچھا گیا کہ کرشن چندر کا یہ افسانہ کیوں انتخاب کیا گیا جبکہ اس سے بہتر افسانے ان کے یہاں موجود ہیں۔ میں نے مثالیں طلب کیں۔ جواب ملا "دو فرلانگ لمبی سڑک" "اگرجن کی شام" "گدھے کی سرگزشت" "تاروں کی سیر کا انتخاب وغیرہ" میرے پاس ان کو مطمئن کرنے کے لئے سوائے اس کے کوئی جواب نہ تھا کہ تم ان کو گھر پر پڑھ سکتے ہو۔ اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ کرشن چندر کے یہاں "بہرام گلہ" سے بہتر کئی افسانے ہیں اور کتاب کے بعد کے ایڈیشنوں میں ان کا انتخاب کیا جاسکتا تھا۔ ایک اہم سوال اور کیا گیا "کیا ملا رموزی کا مضمون "چائے نوشی" افسانہ کہا جاسکتا ہے؟" میرا صاف اور مختصر جواب یہ تھا کہ جی نہیں یہ افسانہ نہیں بلکہ مزاحیہ مضمون ہے۔ اگر آپ کی درسی نثر کی کتاب میں شامل ہوتا تو اچھا ہوتا۔ اگر مزاحیہ افسانہ منتخب کرنا تھا تو عظیم بیگ چغتائی کا "ممتحن کا پان" شامل کیا جاسکتا تھا۔ فاضل مولف اگر اپنا افسانہ شامل نہ کرتے تو بہتر ہوتا۔ اس کی جگہ پر کسی اور مشہور افسانہ نگار کا افسانہ شامل کیا جاسکتا تھا مثلاً راجندر سنگھ بیدی کا افسانہ۔

اس انتخاب میں ایک چیز اور کھٹکتی ہے۔ ہائی اسکول کے امتحان میں ہر سال کافی تعداد میں لڑکیاں شامل ہوتی ہیں اور ان کا امتحان کا نتیجہ بھی لڑکوں کے مقابلہ میں بہتر رہتا ہے۔ لیکن اس انتخاب میں کسی خاتون افسانہ نگار کا افسانہ شامل نہیں ہے۔ مثلاً ہاجرہ مسرور، خدیجہ مستور، عصمت چغتائی، آمنہ ابوالحسن، واجدہ تبسم، جیلانی بانو وغیرہ۔ ان میں سے ہر ایک کے یہاں معیاری افسانوں کی کمی نہیں ہے۔

افسانوں کا یہ انتخاب کسی طرح زمانہ کا ساتھ نہیں دے رہا ہے۔ انٹرمیڈیٹ بورڈ کی اردو کمیٹی کے ممبران اولین فرصت میں اس طرف متوجہ ہوں اور جدید اردو افسانوں کا معیاری انتخاب نصاب میں تجویز کریں جس سے کہ طلبہ کے بڑھتے ہوئے ادبی ذوق کی آسودگی ہوسکے۔

بدایوں۔ • مبشر علی صدیقی

اردو ڈرامے کے مسائل سے متعلق

ہماری زبان میں جناب متین صمد کے مضمون کے پیش نظر قارئین ہماری زبان کی دلچسپی کے لئے عرض کرتا ہوں کہ ہندوستان کے لئے ڈرامہ کوئی نئی چیز نہیں۔ ابتدائے آفرینش ہی سے لوگ اس سے واقف تھے۔ اس کی ابتدا برہما (خالق) سے ہوئی جس نے گیت رگ وید سے مستعار لئے، سام وید سے لحن، یجر وید سے نقالی اور اتھر وید سے اظہار جذبات وخیالات، واضح ہو کہ انھیں لوازمات سے ڈرامے کی تخلیق ہوتی ہے۔ دیوتاؤں نے خود تو ناٹک کھیلنا پسند نہ کیا اور یہ کام ہم فانی انسانوں کے سپرد کردیا اور قرعۂ فال بھرت منی کے نام پڑا، جنھوں نے اس مضمون پر ایک شاستر نہ صرف لکھ ڈالا۔ ڈرامے کے لئے اسٹیج کی بھی ضرورت تھی، اس کام کو وشی وشوکرما نے سرانجام دیا۔ افسوس کہ صاحب مضمون نے اس ضروری پہلو کو نظر انداز کردیا۔

امرتسر • ہنس راج آہن

بانئ پاکستان کیسا

پروفیسر کشیر ساگر، استاذ سنسکرت گورنمنٹ کالج اورنگ آباد (میرے رفیق کار کشیر ساگر صاحب نے ایک مضمون مرہٹی زبان میں مرہٹی کے مشہور اخبار جیا را شٹر ٹائمز کی ۲۲ اگست ۱۹۷۰ء

میں شائع کیا تھا۔ انہی کی اجازت سے میں نے یہ مضمون اختصار کے ساتھ اردو میں منتقل کیا ہے۔ (عصمت جاوید)

THE BOOK IS DEDICATED TO THE FIRST PAKISTANI GRAMMARIAN PANINI—

مذکورہ بالا انتساب پڑھتے ہی میں حیرت میں پڑ گیا۔ پاکستان کے ایک اردو قواعد نویس نے اردو زبان کی قواعد از سر نو ترتیب دے کر اس کا انتساب مذکورہ بالا الفاظ میں کیا ہے۔ یہ انتساب پڑھ کر میرے دل میں ملے جلے جذبات پیدا ہوئے۔ ملے جلے اس لئے کہ پاکستان تک کو پانینی اپنا قواعد نویس معلوم ہوتا ہے اور ہمارا یہ عالم ہے کہ پانینی کی قواعد کا نام سنتے ہی بدن پر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ وہ دن دور نہیں جب پاکستان ویدوں پر بھی اپنا حق جتائے گا۔ پاکستان تک نے پانینی کی عظمت اور محبت کو محسوس کر لیا ہے۔ ایسا ہی ہم کب محسوس کریں گے۔

آج امریکہ میں پانینی زور شور سے مطالعے کا موضوع بنا ہوا ہے۔ ہاورڈ یونیورسٹی میں "پانینی قواعد" کا باقاعدہ مطالعہ اور اس کا تجزیہ جاری ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اہل مغرب نے پانینی قواعد کی اہمیت کا اندازہ لگا لیا ہے۔ امریکہ میں لسانیات کی تعلیم میں پانینی کی قواعد کو کافی اہمیت دی جاتی ہے۔ میں نے ایک امریکی طالب علم سے اس مسئلہ میں گفتگو کی تھی۔ اس نے بتایا کہ پانینی کی گرامر پڑھ کر ہمیں بڑی حیرت ہوتی ہے۔ اس قدر منضبط اور مکمل گرامر دنیا کی کسی اور زبان میں نہیں ہے۔" اس کا یہ کہنا بالکل درست ہے۔ دنیا کی کسی اور زبان میں کوئی اور قواعد اس قدر باقاعدہ، مکمل اور جامع نہیں ہے۔ قواعد پانینی کی کتاب کا نام "اشٹ ادھیائے" ہے۔ اس میں جیسا کہ نام سے واضح ہے، آٹھ ابواب ہیں۔ اس کتاب میں جملہ چار ہزار (زائد صحیح مانا جائے تو تین ہزار نو سو چھیانوے) سوتر ہیں۔ ان سوتروں کی رو سے سنسکرت زبان کی قواعد کا مکمل ڈھانچہ تیار کیا گیا ہے۔ اس قواعد کی خاص بات یہ ہے کہ اس کی رو سے سنسکرت زبان [illegible] بلکہ آج جو سنسکرت زبان بولی یا لکھی جاتی ہے وہی ڈھائی ہزار سال پہلے (... ق۔م و ۶۰۰ ق۔م عام طور پر تسلیم کیا گیا ہے) لکھی ہوئی پانینی قواعد کے عین مطابق ہی ہوتی ہے۔

صحت کو پانینی قواعد کی امتیازی خصوصیت قرار دیا جا سکتا ہے۔ بڑی سے بڑی بات کو اختصار و جامعیت کے ساتھ بیان کرنا ہی پانینی کا نصب العین تھا جسے اس نے بحسن و خوبی حاصل کیا۔ انقلاب زمانہ کئی چیزوں کو اپنی رو میں بہا لے گیا لیکن پانینی اپنی قواعد کے ساتھ آج بھی زندہ ہے۔ اس کا ایک ناقابل تردید ثبوت یہ بھی ہے کہ پانینی کے ہم عصر یا اس کے قبل کے قواعد نویس جن کا پانینی نے اپنے سوتروں میں ذکر کیا ہے آج ہمارے لئے صرف نام ہی نام رہ گئے ہیں اور صرف پانینی لازوال ہے۔ جس طرح کسی تالاب میں بے شمار کنول الگ الگ نشو و نما پاتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں لیکن یہ سب کے سب کنول سطح آب کے نیچے ایک دوسرے سے منسلک ہوتے ہیں۔ اسی طرح پانینی نے بھی سوتر کے کنولوں سے سنسکرت کے مشتقات کو قواعد میں باندھ دیا ہے۔

پانینی کے متعلق ہماری معلومات کا ماخذ کتھا سرت ساگر، منجوشری کلپ، کاویہ میمانسا وغیرہ ہیں۔ ان کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ وہ پانن पाणिन رشی کا بیٹا تھا اور اس کی ماں کا نام داکشی تھا۔ اس کا بیاہ پتر شرما کی بیٹی برہما چارنی سے ہوا تھا۔ اس کے چار بچے تھے۔ اشٹ ادھیائے کے مطالعے سے بھی پتہ چلتا ہے کہ پانینی نے اس کتاب میں گاندھار (قندھار) موجودہ شمال مغربی سرحد کا علاقہ، موجودہ پنجاب اور کرل نامی علاقوں کا ذکر کیا ہے۔ اشٹ ادھیائے کے چوتھے باب کے تیسرے پد میں "سالاتر" نامی مقام کا ذکر ملتا ہے۔ پانینی نے خود کو سالاتوری کہا ہے۔ اس لئے بعض عالموں کا خیال ہے کہ یہ سالاتر یا سالا آتر لاہور ہی ہے۔ اس کے علاوہ ممکن ہے وہ کابل قندھار آتا جاتا رہا ہو۔ ہیون چوانگ چینی سیاح ساتویں صدی عیسوی میں لاہور گیا تھا۔ اس نے اس مقام پر پانینی قواعد کی تعلیم کی روایت کا ذکر کیا ہے۔ اس نے یہ بھی لکھا ہے کہ پانینی نے "علم اللفظ" (چینی لفظ چنگ منگ لن) پر ایک کتاب لکھی ہے اور سالاتر میں اس کے شاگرد پانینی کا بے حد احترام کرتے ہیں اور اس احترام و عقیدت کے اظہار کے طور پر انہوں نے اس کا مجسمہ بھی بنایا ہے۔ تعجب یہ ہے کہ بعض عالموں کے قول کے مطابق یہ مجسمہ آج بھی پشاور کے عجائب گھر میں موجود ہے۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ بادشاہ خان نے پانینی کو پٹھان قرار دے کر اس کا تعلق کابل قندھار سے بتایا ہے۔ اور غالباً اسی بنیاد پر اسے پاکستانی ظاہر کر کے علمی برتری کے احساس کو تسکین دی جا رہی ہے۔ اشٹ ادھیائے کے علاوہ اس نے گن پاٹھ، دھاتو پاٹھ اور شکشا سن پر کتابیں لکھی ہیں یا اس سے منسوب ہیں۔ اس سے ایک ناٹک بھی منسوب ہے۔

• عصمت جاوید

اخبار و افکار

یو۔پی میں اردو اکاڈمی کا قیام

لکھنؤ۔ ریاستی حکومت نے اردو کی بقا اور تحفظ کے لئے، اردو اکاڈمی کے قیام کا اعلان کر دیا۔ جیسا کہ ۷۲-۱۹۷۱ء کے بجٹ میں حکومت نے وعدہ کیا تھا۔ شعبۂ قومی یک جہتی کے سکریٹری جناب تربھون پرشاد کو اکاڈمی کا اعزازی جنرل سکریٹری مقرر کر دیا گیا ہے وزیر اعلیٰ اس کے صدر ہوں گے۔ اردو اکاڈمی کے مقاصد اور کام درج ذیل ہوں گے۔

(۱) انتظامیہ کے ذریعہ اردو کی ترقی کے لئے بنائے گئے منصوبہ کا وقتاً فوقتاً جائزہ لینا اور اردو زبان اور ادب کی ترقی پذیری کے لئے حکومت کو مناسب صلاح و مشورہ دینا۔

(۲) تعلیم اور انتظامیہ کی حدود میں اردو بولنے والوں کو دی گئی سہولتوں کا وقتاً فوقتاً جائزہ لینا اور حکومت کو ان کے بارے میں مشورہ دینا۔

(۳) اردو بولنے والوں کی تکالیف اور شکایتوں پر غور کر کے انھیں دور کرنے کے لئے حکومت کو سفارشات پیش کرنا۔

(۴) اردو ادیبوں کو ان کی ایسی کتابوں پر انعام دینا جن کا موضوع ادب۔ سائنس اور فنون لطیفہ ہوں اور فرقہ وارانہ اتحاد اور قومی یک جہتی کے جذبہ کو فروغ دینا۔

(۵) عوامی لائبریریوں اور دارالمطالعوں کو عمدہ کتابیں اور اخبار و رسائل کو خریدنے کے لئے عطیات دینا۔

(۶) عمدہ اردو کی کتابوں کو شائع کرانے کا بندوبست کرنا اور اردو کے ادیبوں کو ان کی کتابوں کی اشاعت کے لئے امداد دینا۔

(۷) اکاڈمی کے صدر کو اختیار ہوگا کہ وہ وقتاً فوقتاً ممبروں کے علاوہ دوسرے افسران اور غیر سرکاری افراد کو اکاڈمی کی نشستوں میں شامل ہونے کے لئے مدعو کر سکیں۔ اکاڈمی کا صدر دفتر لکھنؤ میں ہوگا۔ لیکن صدر کی منظوری سے اکیڈمی کے جلسے لکھنؤ سے باہر بھی کئے جا سکیں گے۔ ٭ الجمعیۃ دہلی

اردو اکاڈمی کے لئے رقوم کی منظوری

لکھنؤ۔ حکومت اتر پردیش نے ابھی حال میں جو اردو اکاڈمی قائم کی ہے اس کے ممبران کے ناموں کا اعلان وزیر برائے قومی یک جہتی مسز حامدہ حبیب اللہ کی کشمیر سے واپسی کے بعد متوقع ہے۔ ریاستی حکومت نے اکاڈمی کے تحت مختلف سرگرمیوں کے لئے کچھ رقوم منظور کر دی ہیں۔

ریاستی حکومت کے حکم کے بموجب اردو ادیبوں کی کتابوں پر انعامات دینے کے لئے ایک لاکھ روپیہ منظور کیا گیا ہے۔

یہ انعامات ایک ہزار روپے سے دو ہزار روپے تک کے ہوں گے اور ادب سائنس اور فنون لطیفہ کی ان کتابوں پر جو یکم دسمبر ۱۹۷۰ء اور ۳۰ نومبر ۱۹۷۱ء کے درمیان شائع ہوئی ہیں دیئے جائیں گے۔

سرکاری احکام کے بموجب کتابیں ڈائرکٹر محکمۂ تعلیمات کے پاس ۱۵ دسمبر ۱۹۷۱ء تک طلب کی جائیں گی۔ جو ان کو اکاڈمی تک پہنچا دیں گے۔ اکاڈمی یا اس کی مقرر کردہ کوئی ذیلی کمیٹی انعام کے لئے کتابوں کا انتخاب کرے گی۔ دارالمطالعوں اور لائبریریوں کو اردو کتابیں رسائل اور جرائد خریدنے میں مدد دینے کے لئے مالی سال رواں میں ایک لاکھ ۵ ہزار روپیہ منظور کیا گیا ہے۔ درخواستیں ضلع انسپکٹر آف اسکولس کے ذریعہ اکاڈمی کے دفتر واقع یو۔پی سکریٹریٹ لکھنؤ میں ۱۵ دسمبر تک طلب کی جا رہی ہیں۔

ان دو اخراجات کے سوا حکومت نے اردو اکاڈمی کے

سکریٹری کو اکاڈمی کے قیام اور اس کے دفتری اخراجات کے لئے ۳ لاکھ ۵ ہزار روپیہ خرچ کرنے کا مجاز کر دیا ہے۔ اس میں سے ۵ ہزار روپیہ اکاڈمی کے غیر سرکاری ممبران کے بھتّے کے لئے اور ۳ لاکھ روپیہ اکاڈمی کی طرف سے اردو کتابوں کی اشاعت میں ادیبوں کی امداد کے لئے ہیں۔

معلوم ہوا ہے کہ اس کے ممبران میں ریاستی اور ریاست میں واقع مرکزی یونی ورسٹیوں کے اردو پروفیسران، چند اہم اردو ادیبوں کے علاوہ اردو داں ممبران اسمبلی و کونسل و پارلیمنٹ شامل ہوں گے۔

چونکہ توقع کی جا رہی ہے کہ اکاڈمی کے سکریٹریٹ میں اردو داں عملے کو روزمرہ کی کارروائی کے لئے شامل کیا جائے گا۔

• قومی آواز لکھنؤ

اردو کے مسئلہ پر وزیر اعلیٰ ترپاٹھی سے بات چیت

لکھنؤ: کانگریسی مسلم قانون سازوں کی کمیٹی کا ایک وفد اردو سے متعلق مطالبات کے سلسلے میں وزیر اعلیٰ جناب کملاپتی ترپاٹھی سے ملا۔ یہ مطالبات کمیٹی کی جانب سے وزیر اعلیٰ کو پہلے ہی پیش کئے جا چکے تھے۔

کمیٹی کے سکریٹری جناب نسیم الدین صدیقی کے بیان کے بموجب وزیر اعلیٰ نے وفد کی باتیں ہمدردی سے سنیں اور وعدہ کیا کہ وہ اسمبلی کے اجلاس کے بعد اردو کا مسئلہ حل کریں گے۔

• قومی آواز لکھنؤ

اردو کے متعلق وعدوں کو پورا کرنے کا مطالبہ

الٰہ آباد: جناب سنت دیاس جنرل سکریٹری شہر کانگریس کمیٹی الٰہ آباد نے ایک خط چیف منسٹر اتر پردیش شری کملاپتی ترپاٹھی جی کو بھیجا ہے جس میں مانگ کی گئی ہے کہ حالیہ بیٹھک میں وزیر اعلیٰ نے اردو کے متعلق جو وعدہ کیا تھا۔ اس کو اب تک پورا نہیں کیا گیا۔ آپ نے کہا ہے کہ ایک ڈپٹی ڈائرکٹر کو الگ مقرر کرنے کی بات تھی۔ افسوس ہے کہ وہ بھی اب تک مقرر نہیں کیا گیا ہے۔ ڈپٹی ڈائرکٹر کے نہ ہونے کی وجہ سے بہت سے کام اردو کے رکے ہوئے ہیں۔ جناب دیاس نے مزید کہا ہے کہ مجھے اطلاع ملی ہے کہ بہت سے بچے اردو پڑھنا چاہتے ہیں پر ٹیچر نہ ہونے کی وجہ سے وہ نہ پڑھ سکے۔ میری چیف منسٹر صاحب سے استدعا ہے کہ وہ جلد سے جلد ڈپٹی ڈائرکٹر مقرر کریں تاکہ دشواریوں کا حل نکل آسکے۔

• سیاست جدید کانپور

دہلی کے مڈل اسکولوں میں سنسکرت صرف اختیاری مضمون

نئی دہلی: دہلی ایڈمنسٹریشن نے اپنے حکم کو واپس لے لیا ہے جس کے تحت مڈل اسکولوں میں سنسکرت کی تعلیم لازمی کر دی گئی تھی۔ تازہ فیصلہ کے مطابق سنسکرت کو صرف اختیاری مضمون کی حیثیت سے پڑھایا جائے گا۔ بتایا گیا کہ نئے ہدایت نامے اسکولوں کو جاری کر دئے گئے ہیں۔ نئی اسکیم کے تحت جن بچوں کی زبان ہندی ہے وہ ہندی زبان کے حصہ کے طور پر سنسکرت لے سکیں گے جو طلبہ دوسری زبان کے طور پر ہندی پڑھتے ہیں ان کے لئے سنسکرت لازمی نہیں ہوگی۔ ایڈمنسٹریشن کو یہ حکم اس لئے واپس لینا پڑا کیونکہ مختلف حلقوں سے اس قسم کی شکایات موصول ہوئیں کہ سنسکرت کی لازمی تعلیم سہ لسانی فارمولہ کی خلاف ورزی ہے اس لئے کہ جن طلبہ کی زبان ہندی نہیں ہے انھیں چار زبانیں پڑھنی پڑیں گی۔

• الجمعیۃ دہلی

اردو کے مسئلہ پر پوری ہمدردی کے ساتھ غور کیا جائے گا

پٹنہ: اردو صحافیوں اور قومی کارکنوں کا ایک وفد نائب وزیر اعلیٰ شری رام جے پال سنگھ سے ملا اور بہار میں اردو کے مسئلہ پر بات چیت کی اور میمورنڈم کی کاپی دی۔

نائب وزیر اعلیٰ بہار نے بتایا کہ مرکزی وزیر جناب فخر الدین علی احمد صاحب سے گفتگو کے دوران کہا تھا کہ اردو اخبارات کے ایڈیٹروں نے اردو کے مسئلہ پر جو میمورنڈم دیا ہے، اور چند اہم اور قابل عمل مطالبے رکھے ہیں اس پر پوری ہمدردی کے ساتھ غور کیا جائے۔ اور حکومت بہار اس پر موثر اقدام کرے حکومت اس مسئلہ پر ہمدردی سے غور کر رہی ہے۔

• آدرش



مسئلہ اتنا اہم نہیں جتنا (INTEFITY) کا۔ انسانی جدوجہد کی آخری منزل فنا نہیں ہے، کیونکہ فنا کا تقاضہ ہے کہ انسان اپنے آپ کو ذاتِ خداوندی میں مدغم کر دے۔ اس کے برعکس اقبال چاہتے ہیں کہ انسان اپنی انفرادیت قائم رکھتے ہوئے اس بلندی تک پہنچنے کی کوشش کرتا رہے جو الوہیت کی منزل ہے۔ اقبال نے انسانی ذات کے پیچھے پوشیدہ امکانات اور انسانی عمل اور ارادے کی آزادی پر جتنا زور دیا ہے اور انسان کی تخلیقی برگزیدگی کو جتنا سراہا ہے، وہ بھی اسلامی طرزِ فکر کی غمازی کرتا ہے۔ اقبال کے یہاں انسان کا نیابتِ الٰہی کا رول قبول کرنے کا واقعہ ایک خاص اہمیت رکھتا ہے۔ میلادِ آدم پر ان کی نظمیں انسانی روح کی عظمت کا مجاہدانہ سرود کہی جا سکتی ہیں۔ ان کے یہاں خدا کے (PERSONALIZATION) کا جو تصور ہے وہ دورِ اول کے انسانوں کے خدا کو اپنی شبیہ میں اتارنے (ANTHROPOMORPHISM) کے تصور سے بے حد مختلف ہے۔ یہ اس انداز (PIETY) سے بھی علیحدہ ہے، جو ہمیں بعض عیسائی شاعروں خاص طور پر سترہویں صدی کے انگریزی شاعر جارج ہربرٹ کے یہاں ملتی ہے۔ اقبال کے یہاں انسان دوستی (HUMANISM) اور وجودیت (EXISTENTIALISM) دونوں کی پرچھائیاں ملتی ہیں۔ ان کے مذہبی کٹرپن میں روشن ضمیری کی طرف ایک واضح رجحان ملتا ہے۔ ان کے یہاں وہ تعقل اور قوت بھی ہے جسے سائنسی تجربے کی پیداوار سمجھا جاتا ہے اور وہ وجدانی بھی جو مذہبی وجدان کے بطن سے پھوٹتی ہے۔ وہ ایک طرف معراجِ مصطفےٰ کے استعارۃً نہیں، بلکہ لغوی اور جسمانی مفہوم میں قائل ہیں اور وہ دوسری طرف جنت اور دوزخ کو ذہنی کیفیات کے مترادف جانتے ہیں۔ وہ انسانی خودی کے مستقل ہونے کے باوجود تصورِ خودی سے اس کی تکمیل کرنا چاہتے ہیں۔ وہ انسانی تقدیر کو مادی قوتوں کا پابند نہیں سمجھتے۔ وہ مذہب اور سیاست کو الگ الگ خانوں میں تقسیم نہیں کرتے کیونکہ اس طرح سلطنت چنگیزی میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ وہ سرمایہ داری کے سراسر خلاف ہیں، کیونکہ ان کا معاشی انصاف کا تصور خالص اسلامی تصور ہے۔ وہ فرد اور سماج دونوں کی اہمیت کے قائل ہیں کیونکہ اسلامی نقطۂ نظر بھی یہی ہے کہ نہ فرد کو سماج پر قربان کیا جائے اور نہ انفرادیت کو اتنا بے لگام کیا جائے کہ سماجی ذمہ داریاں بے معنی معلوم ہونے لگیں۔ اقبال کے "انسانِ کامل" کے تصور میں نطشے، جیلی اور ابنِ عربی سب کے اثرات موجود ہیں، لیکن اس کی بنیاد اسلامی تصورِ حیات و کائنات پر منحصر ہے۔

معلوم نہیں یہ مفروضہ کب اور کیسے بنا لیا گیا کہ بڑی شاعری کے لئے مادی، اشتراکی اور ڈارونسٹ فلسفۂ حیات میں یقین ضروری ہے۔ یا وہ لامرکزی (ECCENTRIC) خیالات، اخلاقی اقدار سے انحراف اور خدا کے وجود کے انکار سے ہی پیدا ہو سکتی ہے۔ اگر آپ دانتے اور ملٹن کی (COSMOLOGY) سے بیزاری کا اظہار کرتے ہوئے بھی ان کی بڑائی کے قائل ہو سکتے ہیں، اور ایلیٹ کے مذہبی کٹرپن (ORTHODOXY) کے باوجود انہیں عظیم شاعروں کی فہرست میں شامل کر سکتے ہیں، تو "مسجدِ ہسپانیہ"

اور مسجدِ قرطبہ" جیسی نظموں میں اقبال کا اسلامی تاریخ سے متاثر ہونا کونسا ایسا جرم ہے جو ان کی شاعری کی تحسین کے لئے ہماری راہ میں رکاوٹ بنے۔ بڑی شاعری کے لئے بڑے موضوعات، تجربے کی گہرائی، وسعت اور تنوع، وجدان اور بصیرت کا اچھوتا پن اور فنی دسترس اور سلیقہ بیک وقت ضروری ہیں۔ شاعر کا مرکزی نقطۂ نظر ہی اس کے تجربات کے انضباط اور ہم آہنگی کی ضمانت کر سکتا ہے۔ یہ نقطۂ نظر اقبال کو یقیناً اسلام اور صرف اسلام سے ملا ہے۔ یہاں مسئلہ محض فقہی مسائل کو نظم کرنے کا نہیں ہے، بلکہ انسان، خدا اور کائنات کے باہمی رشتوں کو ایک خاص مطمحِ نظر سے دیکھنے کا ہے۔ یہ محض حیات کی شاعری نہیں ہے بلکہ اس میں حیات و کائنات کے بارے میں ایک مثبت، حیات پرور اور ترقی پسندانہ رویے کا انعکاس پایا جاتا ہے۔ "مسجدِ قرطبہ" سے بڑی کوئی نظم ہماری اردو زبان میں ابھی تک نہیں کہی گئی۔ شاید مغربی زبانوں کے ادب میں بھی وہ بہترین ادبی کارناموں میں جگہ پائے۔ یہ نظم محض مذہبی عقیدے یا مذہبی تجربے کی نظم نہیں ہے، اس کے پیچھے جو شعور و ادراک ہے، اقدار کا جو نظام ہے، تاریخ کا جو تصور ہے، زمان و مکان اور خارجی فطرت کی طرف جو رویہ ہے، تقدیر کے عقدے کی جو گرہ کشائی ہے، خدا اور انسان کے مابین رشتے کا جو تخیل ہے، وہ اگر اسلامی تعلیمات کی دین نہیں ہے، تو اس کا سرچشمہ اور کونسا ہے؟ اور پھر اس نظم کی تعمیری ہیئت (ARCHITEC-TONICS) اس کے فکری اور تصوراتی پس منظر سے پوری طرح ہم آہنگ ہے۔ اقبال کی عظمت اس میں ہے کہ انہوں نے پابندی کے گہرے احساس (DEEP SENSE OF COMMITMENT) کے باوجود اپنے بنیادی افکار کی تعبیر و تفسیر کے لئے ایک اچھوتی راہ نکالی ہے۔ جو کسی طرح بھی اسلامی تعلیمات کی روح سے متصادم نہیں ہے اور ایک ایسا اسلوب و لہجہ اور شعری شیوۂ گفتار (POETIC DICTION) اس کے لئے تراشا جو ہماری زبان میں فقید المثال ہے۔ ان کے یہاں تمثال طرازی کا عمل اپنی ایک انفرادیت رکھتا ہے۔ ان کے تصورات میں جو حرارت، گرمی اور توانائی ہے، اپنے افکار اور تجربات کو با معنی بنانے میں جو ایک جہدِ مسلسل، بنیادی سچائی، سنجیدگی، جرأت اور جلال ہے، شعور کی جو تابناکی ہے، یقینِ محکم کی جو اندرونی قوت ہے اور خونِ جگر کی جو نمود ہے، ان سب نے مل کر مذہب کی اساس پر تعمیر شدہ اس شاعری کو ایک لازوال شکوہ اور بلندی بخش دی ہے۔

اسلوب احمد انصاری

میرا صفحہ

جیسا کہ اس سے پہلے بھی کہا گیا تھا اقبال کا تمام کلام ایک معیار اور سطح کا نہیں ہے۔ یہ بات اقبال کی طرح اور دوسرے بڑے شاعروں کے سلسلے میں بھی صحیح ہے۔ اقبال کی بہت سی نظمیں سپاٹ ہیں اور بعض نظموں میں براہ راست انداز تخاطب اختیار کیا گیا ہے۔ بعض جگہ کسی تاریخی واقعہ یا سیاسی حادثے کو نظم کے پیرائے میں پیش کر دیا گیا ہے۔ اور اکثر ایسا بھی ہوا ہے کہ کسی شعر میں قرآن کریم کی کسی آیت یا حدیث کے کسی ٹکڑے کو جوں کا توں لکھ دیا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس قسم کے اشعار فنی معیار پر پورے نہیں اترتے۔ یہاں نہ اقدار کی نئی دریافت کا سوال پیدا ہوتا ہے، نہ وجدان اور نظر کے بروئے کار آنے کا۔ اس بحث کے دوران اگر کہیں بھی یہ دعویٰ کیا گیا ہوتا کہ محض مذہبی جذبات کی عکاسی یا واقعہ نگاری یا فلسفہ طرازی ہی بڑی شاعری کو وجود میں لانے کے ذمہ دار ہیں، تو محسن کاکوروی، شبلی نعمانی اور حفیظ جالندھری خاصے اہم شاعر قرار دئے جا سکتے تھے۔ لیکن تخلیقی کارناموں میں ماورائے سخن بھی ایک چیز ہوتی ہے، جسے شاعر کے انفرادی شیوۂ گفتار PERSONAL IDIOM یا وجدان اور بصیرت سے تعبیر کیا جا سکتا ہے اور جو واقعات، لغوی حقائق اور مذہبی اور اخلاقی قوانین DOCTRINES کو ایسی اکائیوں میں تبدیل کر دیتی ہے جو استغراق CONTEMPLATION کا مرکز و محور بھی بن سکیں اور ایک شدید اور اچھوتی صداقت اور حقیقت کا انکشاف بھی کریں۔ اقبال کے بار بار اس اصرار کے باوجود کہ ان کی "نوائے پریشان" کو شاعری پر محمول نہ کیا جائے، کیونکہ وہ محض "راز درون میخانہ" کے محرم ہیں، ان کی بہترین نظمیں اور غزلیں ان کے فکر، تخیل اور جذبے کے بھرپور امتزاج کا بہترین فنی اظہار ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ مفکر اقبال کے پیچھے جو شاعر اقبال چھپا ہوا ہے اور جو (LILLIPUTIANS) کا سا نہیں، بلکہ دیوزادوں کا سا قد و قامت رکھتا ہے، اسے نہ صرف نمایاں کیا جائے، بلکہ یہ تصریح بھی کی جائے کہ حقیقت مطلقہ کی طرف اقبال کا بنیادی رویہ اور شعری اور فنی وسائل پر ان کی استادانہ گرفت ایک دوسرے کو سہارا بھی دیتے ہیں، اور دونوں یکساں اہمیت کے حامل بھی ہیں۔

قرآن پاک کی تعلیمات اور رسول اکرم کی ذات اقدس کے علاوہ اقبال جن دانشوروں سے متاثر ہوئے ہیں، ان میں رومی، نطشے، برگساں، ابن عربی اور ابن مسکویہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ اقبال کے بنیادی فکر کے کردار کو متعین کرنے کے سلسلے میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ (VOLUNTARISTIC) ہے یعنی اس میں انسان کی قوت ارادی پر زور ملتا ہے۔ ان کے یہاں زندگی میں عمل اور حرکت کے عنصر کو جتنا سراہا گیا ہے، اس کی مثال شاید ہی کہیں اور ملے۔ "بانگ درا" کی بے شمار نظمیں اس ضمن میں ہمارے دعوے کی تصدیق کرتی ہیں۔ اقبال کے یہاں عمل اور حرکت کے محاکات ان کی پوری شاعری میں بکھرے ہوئے ہیں۔ رومی کی طرح اقبال عشق کو عقل پر ترجیح دیتے ہیں گو وہ عقل کے تفاعل سے انکار نہیں کرتے۔ عمل اور حرکت سے منسلک مسئلہ تبدیلی (CHANGE) اور (FLUX) کا ہے۔ اقبال مقصدی (TELEOLOGICAL) تبدیلی کے قائل ہیں اور میکانکی ارتقا کے مقابلے میں ایک طرح کے بامقصد شعوری اور روحانی ارتقاء کو اہمیت دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک حقیقت ایک ایسی زندہ تخلیقی قوت ہے، جس کا محور ان عقلی یعنی مقصدی طور پر متعین ہے۔ بہ الفاظ دیگر ان کے یہاں تخلیقیت CREATIVITY کا جو تصور ہے وہ ایک منہاج اور معیار رکھتا ہے۔ "ساقی نامہ" اس کی ایک اچھی مثال ہے۔ اس ذیل میں انھوں نے برگساں سے جو کچھ بھی اثر لیا، لیکن قرآن کریم اور رومی کے افکار کی چھاپ ان کے ذہن پر گہری ہے۔ اسی طرح حرکت، عمل اور تبدیلی کے مبرم قانون کا مسئلہ تصور زمان سے منسلک ہے۔ حقیقت وقت کے محور کی طرف ملتفت ہے یعنی (TIME-CENTRIC) ہے لیکن یہ وقت وہ نہیں ہے جو گھڑی اور کیلنڈر کا پابند ہے اور ریاضیاتی کردار رکھتا ہے، بلکہ وہ جو ایک تخلیقی شان رکھتا ہے۔ انگریزی شاعر بلیک کی طرح اقبال زمان و مکان دونوں کو انسانی فہم کی ہی درجہ بندیاں (CATEGORIES) تصور کرتے ہیں۔ اس سلسلے میں انھوں نے خود اس حدیث قدسی کی طرف اشارہ کیا ہے کہ "زمانہ کو برا مت کہو کیونکہ زمانہ خدا ہے" اور اس کی گرفت ان کے ذہن پر ہمیشہ مضبوط رہی۔ ان کی نظم "زمانہ" ("بال جبریل") اور "پیام مشرق" کی کئی نظمیں اس تصور کا بہترین فنی اظہار ہیں۔ اقبال انسانی انا یا نفس کی بے پناہ مستتر صلاحیتوں اور اس کی آزادی کے بھی بے حد قائل ہیں۔ ان کی رائے کے مطابق حقیقت مطلقہ یا خدا نے جو سب سے بڑا نفس یا انا ہے، اپنے آپ کو ان گنت اناؤں (EGOS) میں تقسیم یا منتشر کر دیا ہے۔ اور اسی طرح انسانی نفس ہستی مطلق سے گیر ہے، لیکن اس کا انتشار یعنی پھیلاؤ (DISPERSION) یا (EXTENSION)

(باقی صفحہ …)

مالک انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ پرنٹر و پبلشر سید تفضل حسین ایم۔ اے نے لیتھو کلر پرنٹرس علی گڑھ میں چھپایا اور دفتر مرکزی انجمن ترقی اردو ہند علیگڑھ سے شائع کیا
REGD. NO. L 922-29 فون نمبر R-ND-2186/57